درون/ بیرون خانہ کا سلسلہ ءمکالمات "-(49)

سلسلہ میرے سفر کا کبھی ٹوٹا ہی نہیں
میں کسی موڑ پہ دم لینے کو ٹھہرا ہی نہیں
مجھ سے ملتی ہی نہیں ہے کبھی ملنے کی طرح
زندگی سے مرا جیسے کوئی رشتہ ہی نہیں

ممتاز شاعر سلطان اختر کے درج بالا اشعار گذشتہ دنوں یعنی 11 اکتوبر کو مرکزی حکومت کے محکمہ سائنس وتکنالوجی کے تحت قائم دنیا کے دوسرے قدیم ترین محکمے "سروے آف انڈیا" میں اپنی موجودہ ملازمت کے 25 برسوں کی بحسن وخوبی تکمیل کے تناظر میں شدت سے یاد آتے رہے۔اس یادگار موقع پر محکمے کے ہیڈکوارٹر واقع اوپل میں باوجود پیشہ ورانہ مصروفیات، انھی گزرے بیتے پچیس برسوں کے دوران (خواہ دفتری ڈیوٹی رہی ہو کیمپ/ سروے کی سفری ڈیوٹی) ایک دوسرے کی مسلسل حوصلہ افزائی ورہنمائی کے ساتھ حق ہم سفری ادا کرنے والے سینئر وجونیئر ساتھیوں سے میل ملاقات ونجی تقاریب کا لامتناہی سلسلہ سا شروع ہوا۔ یہ علحدہ بات رہی کہ جہاں حالیہ عشرے کے دوران بیشمار سینئیر رفقا اپنی مدت ملازمت کی تکمیل کرتے ہوئے سبکدوش ہوئے وہیں چند ایک احباب سے دائمی جدائی کا کرب بھی جھیلنے کو ملا۔

اوائل عمری میں ابتدائی تعلیم وتربیت اور عملی زندگی کے روزمرہ امور/ گر سیکھنے کے ضمن میں مجھے اپنے نانا مرحوم سید عبدالصبور سے کافی مدد ورہنمائی حاصل رہی۔وہ ہاکی وکرکٹ جیسے میدانی کھیلوں سے میری دیوانگی، جولانی طبع اور آرٹ وکرافٹ سے گہرا لگاؤ ودلچسپی کے علاوہ کچھ کر دکھانے کی جستجو وجذبات کو بھانپتے ہوئے اکثر کہا کرتے تھے کہ مستقبل میں تمھیں بس ایک اچھی سی سرکاری ملازمت کی ضرورت ہے۔ملازمت کے دوران تمھیں اپنے اندر چھپی صلاحیتوں کو جلا بخشنے کے مواقع بھی خوب ملیں گے۔کم ازکم میٹرک تک کامیابی کو سرکاری ملازمت کا حصول یقینی بتاتے ہوئے وہ کہا کرتے تھے کہ تمھارے لئے ملازمت کے لئے منعقدہ عام معلومات کا امتحان بآسانی کامیاب کرتے ہوئے بعد کے مرحلے یعنی انٹرویو سے گزرنا ہرگز مسئلہ نہیں رہے گا۔

میں نے میٹرک کامیاب کرنے کے بعد ان ہی کے مشورے پر مقامی ایمپلائمنٹ ایکسچینج میں اپنا نام بھی درج کروالیا۔تب ان کا کہنا تھا کہ میٹرک تک قابلیت رکھنے والے تو اب ہزاروں کی تعداد میں دستیاب ہیں، بہتر ہے پری یونیورسٹی کورس یعنی انٹرمیڈیٹ، حساب وسائنس جیسے مضامین کے ساتھ کامیاب کرلوگے تو یقیناً کوئی ایک بہتر ملازمت اپنی منتظر سمجھو۔دوسالہ انٹرمیڈیٹ کورس میں بھی اچھے نشانات حاصل کرکے جب میں دوبارہ ان کی خدمت میں آگے کی رہنمائی کے لئے حاضر ہوا تو میرے لئے ان کا مشورہ تھا کہ گزرتے وقت کے ساتھ اب ایک معمولی سی پوسٹ کے لئے بھی سینکڑوں کی تعداد میں گریجویٹ نوجوان آگے آرہے ہیں تو سرکاری ملازمت کے حصول لئے انجینئرنگ یا سائنس وحساب کے مضامین میں ڈگری کامیاب کرلینا مناسب عمل رہے گا۔شومئی قسمت سے میرے گریجویشن کی تکمیل سے قبل 1989ء میں انھوں نے اچانک ہی (79) برس کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہا۔اس وقت تک رنج ویاسیت سے پُر حالات کے باوجود میرے دل ودماغ میں جلد از جلد ڈگری کی تکمیل اور حصول ملازمت کی لگن پختہ تر ہوچکی تھی۔ بقول سدرشن فاخر:

عشق میں غیرت جذبات نے رونے نہ دیا
ورنہ کیا بات تھی کس بات نے رونے نہ دیا
آپ کہتے تھے کہ رونے سے نہ بدلیں گے نصیب
عمر بھر آپ کی اس بات نے رونے نہ دیا

1990ء میں جوں ہی جامعہ عثمانیہ سے ڈگری کی تکمیل ہوئی اس کی تفصیلات بھی ایمپلائمنٹ ایکسچینج میں درج کرواتے ہوئے ملازمت کی تلاش کا آغاز کرنا مناسب لگا۔اس زمانے میں دفتر ایمپلائمنٹ ایکسچینج مشیر آباد، حیدرآباد میں ہوا کرتا تھا۔ ہر دو تین ماہ کے وقفے سے دفتر میں حاضری اور متعلقہ عہدیداروں وکلرکوں سے ملازمت کے مواقع کی جانکاری حاصل کرتے رہنے کی گویا عادت سی رہی۔تبھی سرکاری ملازمت کی آس میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے رہنے سے بہتر مزید کوئی کورسز یا وقتی طور پر کہیں کسی مناسب روزگار سے جڑے ہوکر عملی تجربات کا حصول مناسب لگا۔

جون 1993ء میں دفتر ایمپلائمنٹ ایکسچینج سے پائلٹ میاپ پروڈکشن پلانٹ (سروے آف انڈیا) کا جونیئر سروئیر کی پوسٹ کے لئے بالکلیہ پہلا کال لیٹر وصول ہونے تک سٹی سیول کورٹ میں، پرانی حویلی، حیدرآباد میں سینئیر ایڈوکیٹ ہائی کورٹ سید عبدالقدوس ایڈوکیٹ کے ہاں عارضی وجزوقتی طور پر یعنی 93-1990 تین برسوں تک بحیثیت اسکرپٹ ٹرانسلیٹر، ملازمت کی انجام دہی کے علاوہ فاضل اوقات میں انڈو برٹش اکیڈمی سے ڈرافٹسمین وآرکیٹکچر کے ڈپلومہ کورس کی تکمیل ہوچکی تھی۔بہتر ملازمت کے ضمن میں اس تلاش بسیار کی یاد پر اکثر رؤف خلش کا شعر ذہن کے دریچوں سے در آتا ہے:

کسی نے آنکھیں بچھائیں کسی نے چھانی خاک
تلاش کرتے رہے لوگ ، ہم نے پالی آگ

سروے آف انڈیا جیسے ڈھائی سوسالہ قدیم اور عظیم الشان محکمے سے وابستگی کا قصہ بھی خاصا عجیب ہے۔بحیثیت جونیئر سروئیر انتخاب کے بعد محکمے کے ہیڈکوارٹر واقع اوپل میں "پائلٹ میاپ پروڈکشن پلانٹ" کی ایک برانچ یعنی نمبر 10 پارٹی کے لئے 10 اکتوبر 1993ء کو رجوع بکار ہوتے ہی دوسالہ سروئینگ ٹیکنیشن کورس کی علمی وعملی تربیت

کے لئے دیگر ساتھیوں کے ہمراہ ہیڈکوارٹر کے احاطے ہی میں قائم سروے ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ (موجودہ "انڈین انسٹی ٹیوٹ آف سروئینگ اینڈ میاپنگ") میں رپورٹ کرنے کی ہدایت دی گئی تھی۔

یہاں اس بات کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہیں کہ محکمے کی ڈھائی سو سالہ تاریخ میں آرمی وملٹری سے وابستہ شخصیات کو بھی بشمول سروئیر جنرل، دیگر اہم عہدے بھی تفویض کئے گئے ہیں۔حسن اتفاق 1993ء میں مقامی دفتر کے تین اعلیٰ عہدوں پر آرمی کی شخصیات براجمان تھیں۔جن میں میجر جنرل وِرک، میجر جنرل کوشی اور میجر جنرل منوج تیال شامل ہیں۔نمبر 15 پارٹی، سروے ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ، جہاں ہمیں دوسالہ ٹریننگ کے لئے بھیجا گیا تھا اس وقت اس کے سربراہ میجر جنرل منوج تیال ہی تھے۔آج بھی زندگی کے تمام تر اموروذمہ داریوں کی ادائیگی میں سلیقہ، سنجیدگی و مستقل مزاجی دراصل ربع صدی تک ان ہی آرمی سے وابستہ شخصیات بعدازاں مزید آرمی افسران کے تحت پیشہ ورانہ خدمات کی ادائیگی کا نتیجہ ہے۔

یادش بخیر، 10 اکتوبر 1993ء کی صبح جب میں جنگلاتی علاقے میں گھری "پائلٹ میاپ پروڈکشن پلانٹ" کی پرشکوہ، وسیع وعریض عمارت میں کاغذات تقرری داخل کرنے پہنچا تو میجر جنرل وِرک کا چیمبر، عمارت کی پہلی منزل پر بالکل درمیانی حصہ میں خموش، خوبصورت وپرسکون جگہ ملا۔چیمبر کے باہر دور تک سرخ قالین بچھا تھا اور داخلی دروازے پر بہترین یونیفارم میں ملبوس زائد از چھ فٹ قد کا حامل، داروغہ نما ایک حوالدار پہرہ دے رہا تھا۔پہلی نظر میں طویل قامت، چوڑے چکلے کاندھے، گول وبھاری سرخ سپید چہرے پر تیزی سے سفید پڑتی داڑھی کے سبب وہ کوئی افغانی پٹھان محسوس ہوا۔مجھے دیکھتے ہی اس نے کرخت آواز میں دریافت کیا: "بچہ! یہاں کیا لینے آئے ہو؟ کس نے تمھیں یہاں تک پہنچنے کی اجازت دی؟"

سوال سن کر میں کچھ سٹ پٹایا اور اپنے آزو بازو اور پیچھے دیکھ کر اطمینان کر لینا مناسب جانا کہ مخاطب میں ہی ہوں یا کوئی اور۔جب یقین ہوگیا کہ اس وقت میرے اور اس ہٹے کٹے، اونچے پورے حوالدار کے علاوہ چیمبر کے باہر لابی میں کوئی اور نہیں تو میں نے اپنے کاغذات تقرری آگے بڑھاتے ہوئے جواب دیا:

"میں، بحیثیت جونیر سروئیر اپنی تقرری کے کاغذات پیش کرنے آیا ہوں!!"

حوالدار نے کاغذات لئے اور پہلے صفحہ پر لگی تصویر سے میرا موازانہ کر کے اطمینان کیا اور مجھے انتظار کرنے کا کہہ کر میجر جنرل وِرک کے چیمبر میں چلا گیا۔اس وقت میری عمر بمشکل 23 برس تھی اور قد بھی مناسب ہی یعنی 5 فیٹ 8 انچ تھا۔میں سوچنے لگا کہ حوالدار نے اپنے مقابل میرا جسمانی موازانہ کرنے کے ساتھ شاید رعب جمانے کی خاطر مجھ کو یوں مخاطب کیا ہے۔وقفہ بعد وہ باہر آیا اور مجھے اندر سے کاغذات کی منظوری اور مزید احکامات ملنے تک کچھ دیر انتظار کر لینے کہا۔انتظار کرنے کے لئے وہیں لابی میں مہمانوں کے لئے خوبصورت کرسیاں بچھی تھیں لیکن میں نے اپنی بے چین فطرت کے مطابق حوالدار کے قریب ہی کھڑے رہنے کو ترجیح دینا مناسب خیال کیا۔مجھے خاموش کھڑے رہنے سے بہتر حوالدار سے اپنی اس نئی ملازمت اور مستقبل میں الاٹ کی جانے والی ڈیوٹی سے متعلق جانکاری لینا مناسب عمل لگا۔حوالدار اس وقت خود بھی سر سے پاؤں تک بغور میرا جائزہ لینے میں مصروف تھا۔یعنی رؤف خلش کے الفاظ میں:

تو مجھ کو دیکھ رہا تھا ، مغالطے میں تھا
میں تیری آنکھوں کے گہرے مطالعے میں تھا

میں نے پہل کرتے ہوئے حوالدار سے اس کا نام پوچھتے ہوئے گفتگو کی ابتداً کی۔اس نے اپنا نام سعید میاں، عمر 50 سال اور آبائی تعلق آندھرا پردیش کے ضلع پرکاشم (قدیم نام: اونگول) بتایا۔جب میں نے، مجھے تفویض کئے جانے والے کام کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے گویا الٹا خود مجھے ہی اپنے سوالات پر رکھ لیا۔حوالدار کا پہلا سوال تھا:

"کہاں کے رہنے والے ہو؟"

میں نے بتایا: "یہیں حیدرآباد کا ہوں!"

تب اس نے پوچھا:

"کیا کبھی سمندر کنارے گئے ہو اور اسے قریب سے دیکھا ہے؟"

میرا جواب نفی میں پا کر دوبارہ اس نے دریافت کیا:

"کیا کبھی گھنے جنگلات سے گزر ہوا؟ گھاٹیوں میں اترے ہو؟ پہاڑوں پر چڑھے ہو؟"

اس بار بھی میرا جواب نفی میں تھا۔تب اس نے بتایا:

"دیکھو بچہ جی! یہاں سروئیرز کو سروے کی ڈیوٹی میں جنگلات ہو کہ گاؤں یا شہری علاقے، کھیت وکھلیان، نالے، ندی، سمندر کے ساتھ چھوٹے بڑے سبھی پہاڑوں پر چڑھنا، گھاٹیوں میں اترنا یعنی گھوم پھر کر تمام مقامات کا سروے کرنا ہوتا ہے۔مختلف آلات کی مدد سے ان سبھی زمینی تفصیلات کی پیمائش کرتے ہوئے انھیں کاغذات پر اتار کر نقشے تیار کرنا ہوگا۔"

حوالدار کی بات سن کر مجھے کسی ڈروخوف کے بغیر تفویض کئے جانے والے مقام/ علاقے کے بارے میں دریافت کرنا بہتر لگا۔

میرا سوال سن کر اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا:

" کشمیر سے کنیا کماری تک اور گجرات، دمن دیو آسام ومیگھالیہ تک، یعنی ملک بھر میں جب بھی اور جہاں بھی ضرورت ہو ڈیوٹی الاٹ کی جائے گی۔ جسے بنا کسی حیلے بہانے، بے خوف وِنڈر ہو کر بے چوں وچرا انجام دینی ہوگی۔"

متوقع ڈیوٹی سے متعلق جان کر میرے لبوں پر بھی معنی خیز تبسم بکھر گیا کہ ڈگری تک تعلیم مکمل کرنے کے بعد زائد از تین برسوں سے سیول کورٹ میں کلرکی کے علاوہ مجھے ایسی کوئی بہتر ملازمت نہیں مل سکی تھی کہ میں اپنے اندر پوشیدہ ذہنی وجسمانی صلاحیتوں کا زیادہ بہتر طریقے سے اور کھل کر مظاہرہ کرسکوں۔ اب حوالدار کی زبانی نئی ملازمت سے متعلق یہ سب خواب ناک باتیں سن کر واقعی اچھا لگا۔ بقول غیاث متین:

نیند کب اچھی لگی ، کب جاگنا اچھا لگا
میری آنکھوں کو وہی اک آئینہ اچھا لگا
ورنہ منظر ہی کوئی ہوتا نہ پسِ منظر متینؔ
اس زمیں سے آسماں کا فاصلہ اچھا لگا

حسن اتفاق، اسی روز نمبر 10 پارٹی میں ایک اور حیدرآبادی نوجوان اشفاق احمد نے بھی رپورٹ کی تھی۔ یہ الگ بات رہی کے مجھے بعد از وصولی پروانہ تقرری، تنگی وقت کے باعث اپنے کاغذات پر بروقت ڈسٹرکٹ کلکٹر کے دستخط کروانا ممکن نہ رہا تھا۔ میجر جنرل وِرک کی ہدایت پر اسی دن اوپل سے ڈسٹرکٹ کلکٹر حیدرآباد کے دفتر واقع عابڈز جا کر مجھے یہ کام انجام دینا پڑا۔ اس طرح پہلے رپورٹ کرنے کے باوجود ہم دونوں ایک ہی روز وہ آگے اور میں پیچھے، دوسالہ کورس نمبر 150-64 سے رجوع ہوئے جہاں ریاست و ملک کے دیگر علاقوں سے منتخب ہو کر آئے ہوئے بقیہ 30 ساتھیوں سے ملاقات رہی۔

اس وقت کی سروے ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ میں، محض اکٹوبر 1993ء کا ایک ماہ مختلف مضامین اور ڈرائینگ کی جماعتوں کے بعد ہمارے بیاچ کے (32) رکنی عملے کو چھ ماہی عملی تربیت کے لئے شہر سے تیس کلومیٹر دور کونڈاپور، گھٹکیسر منڈل علاقے میں قائم سروے ٹریننگ کیمپ بھیج دیا گیا۔

لکھنؤ سے تعلق رکھنے والے ٹریننگ آفیسر کے۔ ایل۔ توڑی کی قیادت میں دیگر انسٹرکٹرز یعنی بی۔ تھامس اور جے۔ اے۔ فرنانڈیز (کیرالہ)، ایم۔ وی۔ چاری اور ڈی۔ ارجنن (آندھراپردیش)، بی۔ چوہان (مہاراشٹرا) اور محمد قاسم اور بی۔ ایس۔ راؤ (تلنگانہ) پر مشتمل عملہ ہمیں سروئینگ ولیولنگ اور اس سے وابستہ دیگر ٹیکنالوجی کے رموز کی عملی طور پر تربیت دینے کے لئے وہاں موجود تھا۔

یہ امر، ٹریننگ آفیسر اور انسٹرکٹرز کے بشمول ہم تمام ٹرینیز کے لئے بھی خوش نصیبی کا باعث ہے کہ ہمارے اس بیاچ کو آج ربع صدی بعد بھی بیشمار حوالوں سے یاد کیا جاتا ہے۔ ہندوستان کے شمال وجنوب، مشرق ومغرب کے علاقوں سے ٹرینیز کی وابستگی کو دیکھتے ہوئے دونوں سیزن کے دوران ٹریننگ آفیسرز کے بشمول ہر ماہ انسپکشن کو آنے والے دیگر اعلیٰ عہدیدار بھی ہمارے بیاچ کو "منی ہندوستان" کہا کرتے تھے۔

بیاچ کے ٹرینیز میں وائی ایس راؤ، پرسنا کمار اور انا راج شیکھر جہاں آندھراپردیش کے اضلاع مچھلی پٹنم، پرکاشم ونیلور سے تعلق رکھتے تھے وہیں خاکسار یعنی سید معظم، اشفاق احمد، اومکار سوامی، راج شیکھر، وینو گوپال، نرسنگ راؤ، رمیش گوڑ کا تعلق تلنگانہ کے اضلاع حیدرآباد، کریم نگر، ورنگل، نلگنڈہ وغیرہ سے رہا۔ جبکہ نکم چندرکانت (اورنگ آباد، مہاراشٹرا)، اروپ بھٹاچارجی، دیپنکر دتہ وپرلے کمار داس (کولکتا)، ایم۔ ایس۔ دیالن، رمنا مورتی، وینکٹیش، گنیش، منجوناتھ اور سبرامنیم (کرناٹک کے مختلف اضلاع جیسے بنگلور، ہبلی، ٹمکور وغیرہ) جوزف اور راجو جان (کیرالہ)، مدی الاگھن (ٹامل ناڈو)، گبر سنگھ، آنند سنگھ، کنور سنگھ راوت (اتر پردیش) شرومنی بھٹ، جئے سنگھ (دہلی) کے علاوہ پڑوسی ملک رائل بھوٹان کے سروئیرز پر مشتمل چار نفری ٹیم بھی ہمارے دوسالہ بیاچ کا حصہ رہی جن میں پیلڈن یشلے تھنلے ڈورجی، سانگے ڈورجی اور نربہادر گورنگ شامل رہے۔ سبھی کی آپس میں میل ملاقات، رکھ رکھاو اور ذہنی ہم آہنگی کو دیکھتے ہوئے یقین کرنا مشکل لگتا کہ ہم سبھی مختلف زبانوں، مذاہب وعلاقوں کے لوگ ہیں۔ بقول رؤف خلش ہمیشہ یوں محسوس ہوتا کہ:

مہک بن کر ملا کوئی ، لگا یوں
جہاں میں ہم ہی ہم پھیلے ہوئے ہیں

اکثر لگتا کہ بیاچ کا ہر ایک فرد گویا فطری طور پر خود احتسابی کا وصف لئے پیدا ہوا ہے۔ ہم سبھی ساتھیوں نے دوسالہ ٹریننگ کے دوران ہر محاذ پر آپس میں خموش لیکن صحت مند مقابلہ آرائی اور آگے بڑھنے کی دھن رکھنے کے باوجود ایک دوسرے کا ادب واحترام ملحوظ رکھنے کو ہمیشہ ترجیح دی اور اپنے انسٹرکٹر کی رائے وفیصلے کو مقدم جانا۔ یادش بخیر، میرے نانا مرحوم کہا کرتے تھے کہ ہر گزرتے ماہ وسال، دستیاب فرصت کے لمحات میں انسان کو اپنے طور پر کئے گئے عملی اقدامات واپنی جانب سے برتے گئے رویوں اور ان سے حاصل شدہ تجربات ومشاہدات کو خود احتسابی کے عمل سے گزارتے ہوئے خودشناسی کے ہنر سے بہرہ ور ہوتے رہنا چاہئیے۔ وہ مزید بتایا کرتے تھے کہ جسے اپنے اعمال کے احتساب کی عادت ہوتی ہے وہ خود بخود اپنی ذات کی گہرائی تک پہنچنے میں کامیاب ہو پاتا ہے۔

بطور مثال، اس عادت کو قدرت کے ایک زریں اصول سے تشبیہ دیتے ہوئے وہ بتاتے تھے کہ زمین میں جو درخت جس قدر گہرائی میں اپنی جڑیں پھیلانے میں کامیاب ہوتا ہے وہ گزرتے وقت کے ساتھ اتنا ہی تناور ہونے کے علاوہ بلندی وقامت بھی حاصل کرلیتا ہے۔ خود احتسابی کے اسی کلیے کو میرے والد ماجد رؤف خلش نے اپنے ایک شعر میں یوں بیان کیا ہے:

اترو خود اپنی ذات کی گہرائی میں خلش
ابھرے جو اپنے آپ کو پانے کی آرزو

ٹریننگ کیمپ کے پہلے سال میں ایک انسٹرکٹر کے تحت جملہ آٹھ ٹرینیز نے تربیت پائی تھی۔ خاکسار کے بشمول دیگر ساتھیوں میں اشفاق احمد، نکم چندر کانت، اروپ بھٹا چارجی، دیپنکر دتہ، پرلے کمار داس، گبر سنگھ اور کنور سنگھ راوت نے ناگپور سے تعلق رکھنے والے انسٹرکٹر بی۔ چوان کی زیرنگرانی تربیت حاصل کی۔ دوسرے سال کے چھ ماہی کیمپ کا انعقاد شہر دکن حیدرآباد ہی سے 50 کلومیٹر دوری پر واقع علاقہ بھونگیر عمل میں آیا تھا۔ جہاں کے ٹریننگ آفیسر بی۔ موہنتا اور یو۔ پی۔ پانڈا (اڈیشہ) کی زیرنگرانی ہم سبھی نے تن تنہا انفرادی سطح پر الاٹ شدہ علاقے کا سروے سہ ماہی "امتحانی اسکیم" کے تحت کیا۔ ٹریننگ کے دوراں ہر تین ٹرینیز کے لئے ایک باورچی/کوک کی سہولت مہیا رہی۔ جس کی ڈیوٹی تینوں ٹرینیز کے لئے تین وقت پکوان اور چائے وغیرہ کی تیاری کے علاوہ ان کے خیموں و کپڑوں کی صاف صفائی و دیگر امور کی ادائیگی شامل تھی۔ جبکہ باقاعدہ سروس میں آنے کے بعد ہر ایک سروئیر کے لئے علحدہ باورچی دستیاب رہا۔ ٹریننگ کے دوران ہر ٹرینی کے لئے سروے آلات کی حمالی و دیگر امور میں مدد کے لئے فی کس دو خلاصیوں کی سہولت بھی مہیا رہی۔ ٹریننگ آفیسر، انسٹرکٹرز اور دو عدد موٹر ٹرالی جیپ ڈرائیورز کے لئے بھی فی کس ایک خلاصی و ایک کوک خدمات کی انجام دہی کے لئے متعین رہا کرتے تھے۔ جبکہ ہیڈکوارٹر میں قائم تمام خیموں کی نگہداشت، صاف وصفائی اور ڈاک ڈیوٹی کے لئے پانچ رکنی خلاصیوں کی ایک ٹیم علحدہ موجود رہی۔ اس طرح گویا مسلسل دو برس، ڈیڑھ سو افراد پر مشتمل سروے کیمپ میں چھ چھ ماہ کا قیام واقعی ماباقی زندگی کے لئے یادگار رہا۔

علی الصبح گروپ کی شکل میں سروے ٹریننگ کے لئے روانگی، پھر دوپہر قریب ایک بجے ہیڈکوارٹر کو واپسی۔ اپنے اپنے خیموں میں لنچ سے فراغت کے بعد دوبارہ شام ڈھلنے تک ڈرائینگ و ڈیزائننگ کی تکمیل کا عمل روزمرہ اساس پر جاری رہا کرتا۔ ان دو برسوں کے دوران نومبر تا اپریل جتنے تیوہار جیسے دسہرہ، دیوالی، کرسمس، سنکرانتی، پونگل، ماہِ رمضان، عیدالفطر، بقرعید، محرم، ہولی، امبیڈکر و گرونانک جینتی وغیرہ جب واقع ہوئے کیمپ ہیڈکوارٹر میں سبھی نے مشترکہ طور پر منایا۔ یقیناً ان دنوں کی خوشگوار یادیں آج بھی بیاچ کے ہم تمام اراکین کے دل وذہن کو معطر بنائے رکھتی ہیں۔ ایسے ہی حالات کے تناظر میں ممتاز شاعر شاذ تمکنت نے کبھی کہا تھا:

کچھ عجب آن سے لوگوں میں رہا کرتے تھے
ہم خفا ہو کے بھی آپس میں ملا کرتے تھے
ختم تھا ہم پہ محبت کا تماشا گویا
روح اور جسم کو ہر روز جدا کرتے تھے

ٹریننگ کے دونوں سال، ٹریننگ آفیسر و دیگر تمام اسٹاف کی خواہش کے احترام میں کیمپ کے اختتام پر منعقدہ "کیمپ فائر" تقریب میں ڈنر کے لوازمات حیدرآبادی ڈشش پر مشتمل رہے۔ خاکسار و روز اول کے رفیق اشفاق احمد کی رہنمائی ومشوروں کے موافق کیمپ کے تمام باورچیوں کی مدد سے پکوان کا نظم کیا گیا تھا اور مینو میں مٹن و ترکاری بریانی، بگھارے بیگن وڈبل کا میٹھا شامل رہا۔

آج ان یادگار لمحات کو یوں قلمبند کرنے بیٹھا ہوں تو خودنمائی وخودستائی کے اندیشوں سے قطع نظر، قلب وذہن کے کونے کھدروں میں کچھ سکون وطمانیت کے جذبات موجزن محسوس ہوتے ہیں۔ مذکورہ بالا دوسالہ ٹریننگ کے اختتام کے پر، یعنی نومبر 1995 سے باقاعدہ ملازمت کے آغاز کے بعد سے پندرہ تا سولہ برسوں تک تواتر کے ساتھ چھ ماہی فیلڈ سروے سیزن کی ڈیوٹی نباہنے کے مواقع نصیب رہے۔ جہاں آندھراپردیش کے ضلع سریکاکولم سے تروپتی تک کے خلیج بنگال سے لگے تمام ساحلی اضلاع کا سروے انجام دینے کا موقع ملا وہیں تلنگانہ و آندھراپردیش کے تمام اضلاع کے آبی، جنگلاتی، پہاڑی، دیہاتی وشہری علاقوں کا زمینی سروے کرتے ہوئے نقشہ جات کی تیاری میں معاونت کرنے کا اعزاز بھی حاصل رہا۔ بعدازاں محکمہ جنگلات ومحکمہ اوشین ڈیولپمنٹ کے تحت چینائی، ٹامل ناڈو سے 450 کلومیٹر جنوب میں ناگاپٹنم و ویلنکنی جیسے علاقوں میں 2005ء کی سونامی سے متاثرہ طویل ساحلی پٹی کی دوبارہ پیمائش کرنے کے مواقع بھی ملے۔

2007-09ء میں انڈین انسٹیٹیوٹ آف سروئینگ اینڈ میاپنگ سے دوسالہ سروئینگ سپروائزر کورس کے علاوہ 2011ء میں دہلی و دہرہ دون میں اسپیشل جی پی ایس کورس کی تکمیل، کیریئر کے اہم مرحلوں میں شامل ہے۔ جبکہ جدید تکنالوجی کے طفیل وقفہ وقفہ سے تکمیل کئے جانے والے دیگر بیشمار کورس کے تذکرے کا یہاں موقع نہیں۔ یعنی ممتاز شاعر عبداللہ کمال کے الفاظ میں:

اپنے ہونے کا اک اک پل تجربہ کرتے رہے
نوکِ نیزہ پر بھی ہم رقصِ انا کرتے رہے
اک مسلسل جنگ تھی خود سے کہ ہم زندہ ہیں آج
زندگی! ہم تیرا حق یوں بھی ادا کرتے رہے

☆ ☆ ☆